تاریخ وسیر

سعید مجتبیٰ السعیدی السلفی

آثار مکۃ المکرمۃ

وہ مقدس اور مبارک شہر جس میں مسلمانانِ عالم کا قبلہ، بیت اللہ شریف ہے "مکہ مکرمہ" کہلاتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اسی شہر میں ہوئی تھی۔ آپؐ نے اپنی زندگی کی ۵۳ بہاریں اسی شہر میں گزاریں۔ بعدہٗ جب قریشِ مکہ کے ظلم و ستم حد سے گزر گئے، تو صحابہ کرامؓ کو اولاً حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ کی طرف، ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اجازت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مدینہ کو روانہ ہوئے۔ مکہ سے روانہ ہوتے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے جذبات کا اظہار فرمایا تھا کہ "اے مکہ! تو مجھے تمام روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے مگر تیرے باسیوں نے میرا یہاں رہنا مشکل کر دیا ہے۔ اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا جاتا تو میں کبھی تجھے چھوڑ کر نہ جاتا۔" (او کما قال)۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضؓ کا ایک قول "معجم البلدان" میں ہے کہ "مجھے جو اطمینان مکہ میں نصیب ہوتا ہے وہ مدینہ میں نہیں"۔ آخر کیوں نہ ہو وہاں اللہ کا گھر جو موجود ہے۔

اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ مدینہ آنے کے بعد بھی مکہ کو بہت یاد کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ شعر گنگناتے رہتے ؎

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ ۔۔۔ وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

اسی طرح حضرت بلالؓ کے متعلق یہ شعر بھی صحیح بخاری میں ہیں ؎

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً ۔۔۔ بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ

وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ ۔۔۔ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

(صحيح البخاری، آخر کتاب الحج)

مکہ مکرمہ کا ذکر، قرآنِ کریم میں: قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف

کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے بعض آیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى
وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ
السُّجُودِ۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ
الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا
ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (البقرۃ: ۱۲۵، ۱۲۷)

۲۔ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا۔ (البقرۃ: ۱۴۴)

۳۔ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ۔ فِيهِ
آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا۔ الخ (آل عمران: ۹۶)

۴۔ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ۔ (المائدۃ ۹۷)

۵۔ رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔
(ابراھیم ۳۷)

۶۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ
الْأَصْنَامَ۔ (ابراھیم ۳۵)

۷۔ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ (الحج)

۸۔ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا۔
(شوریٰ ۷)

۹۔ لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ وَأَنتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ۔ (البلد)

۱۰۔ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سِينِينَ وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ۔ (التین)

اسماء مکہ:

قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ اور کتبِ تاریخ میں مختلف صفات کے اعتبار سے بے شمار نام ذکر کیے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض مشہور نام یہ ہیں۔

مکہ، بکہ، ام القریٰ، بلد آمن، ذی طول، وادی غیر ذی زرع، القریۃ القدیمہ، ام رحم، صلاح، کوثی، الباسہ، الحاطمہ، قادس، ناذر۔ (اخبار مکہ للازرقی، معجم البلدان الیاقوت الحموی)

بعض اسلاف سے منقول ہے کہ آبادی کا نام مکہ اور زمین کے جس حصہ پر بیت اللہ شریف ہے اس کا نام بکہ ہے۔

بیت اللہ:

بیت اللہ کا معنیٰ ہے اللہ کا گھر۔ چونکہ اس عمارت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کےلیے مخصوص کر دیا ہے اس لیے اسے بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ کعبہ بھی اسی کا نام ہے۔

معجم البلدان ج ۴ میں ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا تو سب سے پہلے کعبہ والی جگہ کو تخلیق کیا گیا۔ اس کے بعد زمین چاروں طرف پھیل گئی۔ چنانچہ جس جگہ بیت اللہ ہے وہ ساری زمین کا درمیانی حصہ ہے۔ اسی لیے مکہ کو سُرّۃ الارض (یعنی زمین کی ناف) اور ام القریٰ (یعنی تمام آبادیوں کا اصل) بھی کہا جاتا ہے۔

ابتداء اسلام میں مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تشریف فرما رہے تو نماز میں اس انداز سے کھڑے ہوتے کہ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کی طرف آپؐ کا چہرہ مبارک ہوتا۔ آں حضرت علیہ السلام کی دلی تمنا تھی کہ بیت اللہ کو قبلہ متعین کر دیا جائے۔

چنانچہ ہجرت کے سولہ یا سترہ ماہ بعد جب درج ذیل آیت نازل ہوئی تو بیت المقدس کی جائے بیت اللہ کو قبلہ قرار دیا گیا:

"قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"

خصوصیت بیت اللہ:

سورج کے طلوع، غروب اور نصف النہار کے اوقات میں نماز ادا کرنا صحیح نہیں۔ مگر بیت اللہ شریف کی یہ خصوصیت ہے کہ وہاں ان مکروہ اوقات میں بھی نماز پڑھنے کی اجازت ہے:

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! لَا تَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى اَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ."

مسجد حرام:

اس کا معنیٰ ہے حرمت والی مسجد۔ بیت اللہ کے ارد گرد جو مسجد تعمیر ہے وہ مسجد حرام کہلاتی ہے۔ روئے زمین پر یہ سب سے پہلی مسجد ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا،

"اَیُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِی الْاَرْضِ اَوَّلَ"

کہ "روئے زمین پر سب سے پہلی مسجد کون سی ہے"؟

آں حضرت ؐ نے جواب دیا "مسجدِ حرام"! (کتاب بدأ الخلق)

صحیح بخاری اور دیگر کتبِ حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ"

یعنی "مسجدِ نبوی میں ایک نماز باقی مساجد میں ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ سوائے مسجد حرام کے"

یعنی وہاں اس سے بھی زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ مسجدِ حرام میں ایک نماز عام مساجد میں ایک لاکھ نماز کے برابر ہے:

"عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ، صَلَاۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلٰوۃٌ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَفْضَلُ مِنْ مِّاَۃِ اَلْفِ صَلَاۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ"

(ابن ماجہ، احمد، طبرانی، بیہقی)

مسجدِ حرام کی فضیلت:

کسی مسجد کو افضل تصور کرتے ہوئے اس کی طرف سفر کرنا منع ہے۔ روئے زمین پر صرف تین مساجد کی طرف اس نیت سے سفر کی اجازت ہے۔ ۱۔ مسجد حرام ۲۔ مسجد نبوی ۳۔ بیت المقدس:

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ، لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ۔ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی" (بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تعمیر کعبہ:

کعبہ کی تعمیر مختلف مواقع پر ہوتی رہی۔ کتبِ تاریخ میں اس کی مکمل تفصیل موجود ہے۔ بعض مشہور تعمیروں کا اجمالی تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

تعمیرِ ملائکہ: اخبارِ مکہ میں ہے کہ تخلیقِ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل ملائکہ نے

اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ کو تعمیر کیا۔

۲۔ تعمیرِ آدمؑ:

حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر نزول فرما ہونے کے بعد بحکم الٰہی دوبارہ تعمیر کی۔ اس تعمیر میں پانچ پہاڑوں کے پتھر کام آئے۔ لبنان، طور زیتا، طور سینا، جودی، حرا۔ یہ تعمیر طوفانِ نوح کے موقعہ پر منہدم ہو گئی۔

۳۔ تعمیرِ ابراہیمؑ:

بعدہٗ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بامرِ الٰہی حضرت اسمٰعیلؑ کو ہمراہ لے کر بیت اللہ شریف کو تعمیر کیا۔

۴۔ تعمیر بنی جرہم:

بعض کتب میں ہے کہ بنی جرہم کا قبیلہ جو چاہ زمزم کے ظہور کے بعد وہاں آکر آباد ہو گیا تھا انہوں نے بھی اللہ کے گھر کو تعمیر کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

۵۔ تعمیرِ قریش:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کے زمانہ میں جبکہ آپؐ کی عمر پچیس برس تھی اور بیت اللہ شریف کی عمارت بارشوں، سیلابوں اور مرورِ زمانہ کے سبب بوسیدہ ہو چکی تھی، قریش نے بیت اللہ کی جدید تعمیر کا فیصلہ کیا۔ اس موقعہ پر جب حجرِ اسود کو اس کے مقام پر نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ یہ سعادت اسے نصیب ہو۔ نزاع اس قدر بڑھا کہ تلواریں نکل آئیں۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروقت دانشمندانہ فیصلہ سے یہ نزاع ختم ہوا۔ اس تعمیر میں اخراجات کی کمی کے سبب بیت اللہ کو تعمیرِ ابراہیمی پر استوار نہ کیا جا سکا۔ اور شمال کی جانب کچھ حصہ خالی رکھنا پڑا۔ وہ بھی درحقیقت بیت اللہ ہی کا حصہ ہے۔ اسے حطیم کہتے ہیں۔

۶۔ تعمیر ابن الزبیرؓ:

۶۴ھ میں جب یزید کی افواج نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ پر مکہ پر چڑھائی کی تو منجنیق سے آگ برسائی گئی جس کے نتیجہ میں کعبہ کے پردے جل گئے اور دیواروں کو بھی نقصان پہنچا۔ تو ابن زبیرؓ نے بیت اللہ کی عمارت کو شہید کر کے ازسرِ نو تعمیر کر کے حطیم کو بھی تعمیر میں شامل کر دیا جو کہ قریش نے مال کی کمی کے سبب تعمیر نہ کیا تھا۔

۷۔ خلیفہ عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں حجاج بن یوسف نے ابن زبیرؓ سے عداوت کی بنا پر

خلیفہ کو بہکایا کہ ابن زبیرؓ نے کعبہ میں تغیر کر دیا ہے۔ چنانچہ خلیفہ نے جدید تعمیر کی اجازت دے دی۔

۸۔ اس کے بعد بھی بعض خلفاء نے جدید تعمیر کے ارادے کیے مگر امام دار الہجرۃ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے اصرار سے شاہِ وقت خلیفہ ہارون الرشید کو اس سے باز رکھا کہ کعبہ کی تعمیر امراء و خلفاء کے کھیل کا نشانہ نہ بن جائے کہ ہر بادشاہ اپنی شہرت و نمود کی خاطر اس محکم و محترم گھر کو منہدم اور شہید کرتا رہے اور لوگوں کے دلوں سے اس کی عظمت جاتی رہے۔ (منہاج شرح مسلم)

۹۔ ۱۰۲۱ھ میں سلطان احمد ترکی نے عمارتِ کعبہ کی بوسیدگی دُور کرائی۔

۱۰۔ ۱۰۳۹ھ میں سلطان مراد کے دورِ حکومت میں سیلاب مسجد حرام میں پہنچ گیا۔ جس سے بیت اللہ کی دیواریں گر گئیں تو سلطان نے تعمیر کرائی۔

۱۱۔ ۱۳۶۷ھ میں ملک عبد العزیز بن سعود نے بیت اللہ کے دروازہ کے کواڑوں اور چوکھٹ کی تجدید کرائی۔

۱۲۔ مملکتِ عربیہ سعودیہ کے موجودہ فرمانروا جلالۃ الملک خالد بن عبد العزیز کے دور میں بیت اللہ شریف کا دروازہ سونے سے بنایا گیا۔

حطیم: بمعنی محطوم۔ یعنی علیحدہ کیا ہوا حصّہ۔

قریش کی تعمیر میں اخراجات کی کمی کے باعث بیت اللہ کی مکمل تعمیر مشکل ہو گئی تو انہوں نے شمال کی جانب کچھ حصّہ چھوڑ دیا اور اس پر عمارت نہ کھڑی کی جا سکی۔ اسے حطیم کہا جاتا ہے۔ یہ در حقیقت بیت اللہ ہی کا حصہ ہے اس میں نماز ادا کرنا بیت اللہ کے اندر نماز ادا کرنے کی مانند ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَدْخُلَ الْبَيْتَ فَأُصَلِّيَ فِيهِ فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي فَأَدْخَلَنِي الْحِجْرَ فَقَالَ صَلِّي فِي الْحِجْرِ إِنْ أَرَدْتِ دُخُولَ الْبَيْتِ فَإِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِنَ الْبَيْتِ وَلٰكِنَّ قَوْمَكِ اسْتَقْصَرُوهُ حِينَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ فَأَخْرَجُوهُ مِنَ الْبَيْتِ۔ (ابو داؤد، نسائی، ترمذی)

صحیح مسلم میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آں حضرت علیہ السلام سے دریافت کیا، "آیا جدر (حطیم کا نام ہے) بیت اللہ کا حصّہ ہے"؟ آپ نے فرمایا۔ "ہاں"!۔

چونکہ حطیم بیت اللہ کا حصّہ ہے اس لیے طواف میں حطیم کے باہر سے چکر لگانا ہو گا۔ اگر کوئی شخص حطیم کے اندر سے گزر کر طواف کرے تو اس کا طواف ناقص رہ جائے گا۔

حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ حطیم کا نام حجر اور جدر بھی ہے۔

حجرِ اسود:

بیت اللہ کے جنوب مشرقی کونہ میں انسانی قد کے برابر بلندی پر ایک سیاہ پتھر کے چند ٹکڑے چاندی کے فریم میں نصب ہیں۔ اس پتھر کو حجر اسود کہا جاتا ہے۔

سنن نسائی میں ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّۃِ" کہ "حجرِ اسود جنت میں سے آیا ہے۔"

اس کو چھونا اور چومنا اور ہاتھ لگانا گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا سبب ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ مَسْحَہُ کَفَّارَۃٌ لِّلْخَطَایَا" (جامع الترمذی)

جامع ترمذی میں ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّۃِ وَھُوَ اَشَدُّ بَیَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْہُ خَطَایَا بَنِیْ اٰدَمَ"

کہ "حجرِ اسود جنت سے اُترا ہے۔ تب یہ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا۔ اسے انسانوں کے گناہوں نے سیاہ کر دیا"

جامع ترمذیؒ میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ قیامت کے روز حجرِ اسود کو دیکھنے اور بولنے کی قوت عطا فرمائیں گے۔ جس شخص نے ایمان اور اخلاص کے ساتھ اسے ہاتھ لگایا ہو گا۔ اس کے حق میں یہ پتھر گواہی دے گا۔"

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلرُّکْنُ وَالْمَقَامُ یَاقُوْتَتَانِ مِنْ یَّوَاقِیْتِ الْجَنَّۃِ وَلَوْلَا اَنَّ اللّٰہَ طَمَسَ نُوْرَھُمَا لَاَضَاءَتَا مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔" (صحیح ابن حبان جامع ترمذی)

آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجرِ اسود اور مقام ابراہیمؑ جنت کے یاقوتوں میں سے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اُن کا نور بجھا نہ دیا ہوتا تو یہ مشرق سے مغرب تک کو منور کرتے۔" یہ ایک بڑا پتھر تھا جسے حوادثِ زمانہ نے ٹکڑے ٹکڑے

کردیا"۔

۳۶۳ھ میں ایک شخص نے دورانِ طواف اس پر ضرب لگائی۔

اسی طرح ۹۹۰ھ میں ایک شخص نے خنجر مارا۔

۳۱۷ھ میں ابوطاہر قرامطی نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا اور خونریزی کے بعد بحرین لے گیا، اور بائیس سال تک اپنے قبضہ میں رکھا۔ ۳۳۹ھ میں حملہ کر کے اس سے یہ متبرک پتھر واپس حاصل کیا گیا اور بیت اللہ میں نصب کیا گیا۔

آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو دیکھا کہ حجرِ اسود کو بوسہ کے وقت آپ کے آنسو رواں تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "هٰهُنَا تُسْكَبُ الدُّمُوعُ" "یہاں آنسو نکل ہی آتے ہیں"۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھیں یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنے گھر کی زیارت کا موقعہ نصیب فرمائے۔ آمین!

عام طور پر لوگ حجرِ اسود تک پہنچنے کے لیے ازدحام کر دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں۔ یہ ناروا فعل ہے اس سے بچنا چاہیے۔

ملتزم:

ملتزم کا معنیٰ ہے وہ جگہ جہاں لپٹا جائے۔ حجرِ اسود اور بیت اللہ کے دروازہ کی درمیانی جگہ کو ملتزم کہا جاتا ہے۔ یہ دُعا کی قبولیت کا مقام ہے۔

سنن ابوداؤد اور سنن ابنِ ماجہ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن صفوان کی روایت ہے کہ میں نے فتح مکہ کے روز آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو دیکھا کہ کعبہ کے دروازہ سے حطیم تک بیت اللہ کے ساتھ لپٹے ہوئے تھے اور اپنے رخسار بیت اللہ کی دیوار پر لگا رکھے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے وسط میں تھے۔

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ: مَا بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْبَابِ يُدْعَى الْمُلْتَزَمُ لَا يَلْزَمُ بَيْنَهُمَا أَحَدٌ يَسْأَلُ اللهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ"

(بیہقی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حجرِ اسود اور دروازہ کے درمیان ملتزم ہے۔ یہاں جو دعاء کی جائے اللہ تعالیٰ قبول

فرماتے ہیں"۔
چونکہ یہ جگہ دعاء کرنے اور جہنم سے پناہ مانگنے کی جگہ ہے اس لیے اسے مدعیٰ اور متعوّذ بھی کہا جاتا ہے۔

مقامِ ابراہیمؑ:

یہ اس پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اور گارا وغیرہ لا کر دیتے تھے۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس مقام پر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

"وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى"

کہ "مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بنالو"

طواف کے بعد کی دو رکعتیں یہیں ادا کی جاتی ہیں۔ اگر ازدحام ہو تو مسجدِ حرام میں جہاں جگہ ملے یہ نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

یہ پتھر جنت سے آیا ہے جیسا کہ صحیح ابن حبان اور جامع ترمذی کی روایت پہلے گزری کہ "مقامِ ابراہیم اور حجرِ اسود جنت کے یاقوت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا نور بجھا دیا ورنہ یہ مشرق سے مغرب تک کو منور کرتے"۔

یہ پتھر اب بیت اللہ کے بالکل قریب مشرق کی طرف شیشہ کے خول میں قبہ نما صورت میں محفوظ ہے۔

میزابِ رحمت:

بیت اللہ کے پرنالے کو میزابِ رحمت کہا جاتا ہے۔ اس کے نیچے بھی دعاء کرنی چاہیے۔
حضرت عطاء کا قول ہے کہ میزابِ رحمت کے نیچے دُعاء سے گناہ یوں بخش دیے جاتے ہیں جیسے کہ اس کی ولادت آج ہی ہوئی ہو۔ (اخبارِ مکہ صفحہ ۳۱۸) حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طواف کے دوران جب میزابِ رحمت کے مقابل آتے تو یہ دعاء فرماتے۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الرَّاحَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ وَالْعَفْوَ عِنْدَ الْحِسَابِ"

(اخبارِ مکہ۔ ص ۳۱۹)

چاہِ زمزم: یہ وہ کنواں ہے جو حضرت اسماعیلؑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو کھودنے کا حکم

دیا تھا۔ یہ بیت اللہ سے مشرق کی جانب قریب ہی واقع ہے۔ پہلے کھلا تھا۔ اب اس پر چھت ڈال دی گئی ہے اور پائپوں کے ذریعے ایک جانب پانی پہنچایا گیا ہے۔ جہاں سے لوگ یہ پانی پیتے ہیں۔

مسنون طریقہ یہ ہے کہ آب زمزم کھڑے ہو کر بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر پیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ "میں قیامت کے روز کی پیاس سے بچنے کے لیے زمزم پیتا ہوں۔"

مطاف:

بیت اللہ کے ارد گرد چاروں طرف طواف کرنے کی جگہ کو مطاف کہا جاتا ہے۔ یہ بہت کھلی جگہ ہے اور بیک وقت لاکھوں افراد اللہ کے گھر کا طواف کر سکتے ہیں۔

صفا، مروہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام امر خداوندی سے اپنی بیوی حضرت ہاجرہؓ اور کم سن بیٹے اسمٰعیلؑ کو یہاں بے آب و گیاہ وادی میں اللہ کے سپرد کر کے چلے گئے۔ تھوڑے دنوں بعد کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا۔ عرب کی گرمی سب لوگ جانتے ہیں۔ کم سن اسمٰعیلؑ گرمی اور پیاس کی شدت سے بلبلانے لگے تو حضرت ہاجرہؓ پریشانی کے عالم میں بیٹے کو ایک پتھر کے سایہ میں لٹا کر پانی کی تلاش میں صفا پہاڑ پر آئیں، کہ شائد کہیں پانی کے آثار یا کوئی آبادی نظر آجائے۔ ناکام نیچے اتریں۔ دوسری طرف مروہ پہاڑی تھی۔ دامن میں پہنچ کر ذرا تیز دوڑیں اور مروہ پر چڑھ کر ادھر ادھر نظر دوڑائی مگر کہیں پانی اور آبادی نظر نہ آئی۔ کبھی بچے کے پاس آئیں، اسے روتا دیکھ کر صبر نہ ہو سکتا اور مامتا کی ماری دوبارہ کبھی صفا پر اور کبھی مروہ پر چکر لگاتی رہیں۔ یوں ہی سات چکر لگائے۔ آخری دفعہ جب مروہ پر تھیں تو کوئی غیبی آواز سنائی دی۔ واپس بچے کے پاس آئیں تو دیکھا کہ وہاں اللہ کے حکم سے پانی کا چشمہ ابل رہا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ بچے کو پانی پلایا اور خود بھی پیا۔ یہی چشمہ چاہ زمزم کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو حضرت ہاجرہؓ کا صفا اور مروہ پر چکر لگانا اور دامن میں ذرا تیز چلنا اس قدر پسند آیا کہ رہتی دنیا تک آنے والے مسلمانوں پر حج اور عمرہ کی ادائیگی کے دوران یہ عمل واجب کر دیا۔ اس عمل کو سعی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پہاڑیوں کو اپنے دین کی علامات قرار دیا ہے۔

فرمایا:

اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ "جس سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء کی، میں بھی اسی سے ابتداء

کرتا ہوں"۔

ایک دوسری روایت میں ہے: "اِبْدَؤُا بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ" "جس سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء کی تم بھی اسی سے ابتداء کرو"۔

آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفا پر اس قدر چڑھتے کہ بیت اللہ نظر آنے لگتا، بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی تین بار "اللہ اکبر" کہتے اور مندرجہ ذیل دعا تین بار پڑھتے:

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔"

اس کے بعد کافی دیر تک تسبیح وتہلیل واستغفار میں مشغول رہتے۔ اسی طرح مروہ پر کرتے۔

میلین اخضرین:

دونوں پہاڑیوں کے درمیان کی جگہ جہاں حضرت ہاجرہؑ دوڑی تھیں، چونکہ اب پہاڑیوں کے نشانات ختم ہو چکے ہیں۔ اس وادی کی تحدید کے لیے دونوں کناروں پر سبز نشان لگا دیے گئے ہیں۔ سعی کے دوران جب حاجی اس جگہ پہنچے تو ایک نشان سے دوسرے نشان تک تیز چلے یا دوڑے۔ یہی سنت ہے۔

مسعیٰ:

صفا سے مروہ تک کی جگہ کو "مسعیٰ" یعنی "سعی کرنے جگہ" کہا جاتا ہے۔ حجاج کی سہولت کی خاطر آنے جانے کے لیے علیحدہ علیحدہ راستے بنائے گئے ہیں۔ حج کے دنوں میں رش ہو جاتا ہے اس لیے اوپر دوسری منزل بھی بنا دی گئی ہے۔

حرم مکی:

حرم (بفتح الحاء والراء المہملتین) جو چیز قابلِ تکریم واکرام ہو، حرم کہلاتی ہے۔

اصطلاحاً وہ مقررہ حدود جن کے اندر شکار کرنا، درخت اور گھاس وغیرہ کاٹنا اور لڑائی وغیرہ کرنا شرعی طور پر ناجائز ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک دو حرم ہیں۔ حرمِ مکہ اور حرمِ مدینہ۔

مکہ کی حرمت میں کسی کو اختلاف نہیں۔ صحیح بخاری اور حدیث کی دیگر کتب میں آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے جس روز زمین وآسمان کو پیدا فرمایا اس سرزمین کو اسی دن سے حرم قرار دیا ہے۔ یہ قیامت تک حرم ہے۔ یہاں لڑائی کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ صرف مجھے تھوڑی دیر کے لیے لڑائی

کی اجازت دی گئی تھی۔ اب دوبارہ اس کی حرمت عود کر آئی ہے اور یہ قیامت تک حرم ہے۔"!

حدودِ حرم:

حرمِ مکی کی حد مدینہ کی جانب تین میل، یمن کی جانب سات میل، جدہ کی طرف دس میل، طائف کی طرف گیارہ میل، عراق کی جانب سات میل اور جعرانہ کی طرف نو میل ہے۔

مواقیت:

میقات کی جمع ہے۔ یعنی وہ مقامات جہاں سے حاجی اور معتمر کو بغیر احرام کے آگے جانا جائز نہیں۔ اہلِ مدینہ کے لیے میقات ذوالحلیفہ (جسے آج کل ابیارِ علی کہتے ہیں) اہلِ نجد کی قرن المنازل، اہلِ یمن کی یلملم، اہلِ شام کی جحفہ اور اہلِ عراق کی میقات ذات العرق ہے۔

جحفہ:

احادیث میں اس مقام کا نام مہیعہ بھی آیا ہے۔ مکہ سے تقریباً ڈیڑھ سو میل کی مسافت پر مکہ مدینہ روڈ پر ایک مشہور مقام رابغ ہے۔ وہاں سے مشرق کی جانب تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر یہ مقام واقع ہے۔ صحیح البخاری میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ مدینہ سے ایک بوڑھی، پراگندہ حال، سیاہ عورت نکل کر جحفہ چلی گئی۔

آپؐ نے اس کی تعبیر یوں فرمائی کہ مدینہ کی وبا، وہاں منتقل کر دی گئی۔ (کتاب الرؤیا)

الروحاء:

صحیح مسلم میں ہے کہ اذان کی آواز سن کر شیطان روحاء کی طرف بھاگ جاتا ہے (کتاب الاذان)

یہ مقام مکہ مدینہ روڈ پر مدینہ سے ۳۶ میل کی مسافت پر ہے۔

منیٰ:

مکہ مکرمہ سے سات کلومیٹر کے فاصلہ پر یہ وادی ہے۔ یہی وہ وادی ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی رضا کے لیے قربان کرنے کے لیے لے گئے تھے۔

حجاج کرام آٹھ ذوالحجہ کو زوال سے قبل اس وادی میں پہنچ جاتے ہیں۔ رات یہاں بسر کر کے ۹ ر ذوالحجہ کی صبح کو عرفات روانہ ہو جاتے ہیں۔ غروبِ آفتاب کے بعد وہاں سے واپسی ہوتی ہے رات مزدلفہ میں بسر کی جاتی ہے اور ۱۰ ذوالحجہ کی صبح کو واپس منیٰ پہنچ جاتے ہیں۔

اسی وادی میں قربانیاں کی جاتی ہیں۔ عید کے بعد ۱۳ ر ذوالحجہ تک یہاں قیام رہتا ہے۔

۱۲۔ ذوالحجہ کو بھی واپسی کی اجازت ہے۔

حدودِ منیٰ:

اخبارِ مکہ ج ۲ ص ۱۷۲ اور معجم البلدان ج ۵ میں ہے کہ ابنِ جریج نے حضرت عطاء سے سوال کیا کہ "منیٰ کی حد کیا ہے"؟ فرمایا: "جمرۂ عقبیٰ سے وادی محسّر تک۔"

خصوصیتِ منیٰ:

اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ حجاج کرام جس قدر کثیر تعداد میں بھی آجائیں وہ سب کے سب اس وادی میں سما جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

اِنَّ مِنٰی تَتَّسِعُ بِاَهْلِهٖ كَمَا يَتَّسِعُ الرَّحِمُ بِالْوَلَدِ۔ (اخبار مکہ۔ ۲/۱۴۹)

"کہ منیٰ لوگوں کے لیے اس طرح فراخ ہو جاتا ہے جس طرح بچہ کے لیے رحم"

وجہ تسمیہ منیٰ:

اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں:

۱۔ منیٰ کا معنیٰ ہے تمنا کرنے کی جگہ۔ جب حضرت جبریلؑ کے حضرت آدمؑ کو چھوڑنے کا وقت آیا تو کہا کیا تمنا کرتے ہو"؟ انہوں نے جواب دیا۔ "جنت کی"! اس وقت وہ اس وادی میں تھے۔ اسی وجہ سے اس کا نام منیٰ پڑ گیا (اخبارِ مکہ)

۲۔ منیٰ کا معنیٰ ہے قربانیاں کرنے کی جگہ۔ چونکہ اس وادی میں قربانیاں کی جاتی ہیں اس لیے منیٰ کہلاتی ہے۔ (شرح مسلم للنووی۔ معجم البلدان، ج ۵)

۳۔ منیٰ کا معنیٰ ہے ذبح کرنا۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کی جگہ جنت سے آنے والے مینڈھے کو اسی وادی میں ذبح کیا تھا، اس لیے اسے منیٰ کہا جاتا ہے (معجم البلدان، ج ۵) واللہ اعلم!

عرفات:

مکہ کے جنوب مشرق میں ۲۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک وادی ہے۔ ۹۔ ذوالحجہ کو اس وادی میں حاضر ہونا ہر حاجی کے لیے ضروری ہے۔ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اَلْحَجُّ عَرَفَةُ" کہ "وقوفِ عرفہ اصل حج ہے" اگر کوئی شخص تمام ارکانِ حج ادا کرے اور عرفات میں نہ جائے تو اس کا حج ہی نہیں۔ اس میدان میں جہاں جگہ ملے وقوف کیا جا سکتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وَقَفْتُ هٰهُنَا بِعَرَفَةَ وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔ (ابوداؤد)

ترمذی، ابن ماجہ)

چونکہ یہ میدان حدودِ حرم سے باہر ہے۔ اس لیے قریش وغیرہ عرب قبائل زمانۂ جاہلیت میں مناسکِ حج کی ادائیگی کے دوران عرفات نہ جاتے، ان کا خیال تھا کہ ہم اہلِ حرم ہیں، اس لیے حرم سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ"

"کہ تم بھی وہاں ہو کر آؤ جہاں دوسرے حجاج ہو کر آتے ہیں"

یہ قبولیتِ دعاء کا خاص مقام ہے۔ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "خَيْرُ الدُّعَاءِ يَوْمُ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ قَبْلِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (ترمذی)

جبلِ رحمت:

عرفات کی شمالی جانب ایک پہاڑ ہے، حجۃ الوداع کے موقعہ پر آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی پہاڑ پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اسی موقعہ پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی، "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"

مزدلفہ:

(بالضم فسکون ودال مفتوحۃ مھملۃ ولام مکسورۃ وفاء ۔ معجم البلدان) غروبِ آفتاب کے بعد جب حاجی عرفات سے روانہ ہوں تو وہ رات انہیں اس میدان میں بسر کرنا ہوتی ہے۔

وجہ تسمیہ:

وجہ تسمیہ میں کئی قول بیان کیے گئے ہیں:

ایک یہ ہے کہ "ازدلاف" کا معنیٰ ہے "جمع ہونا" چونکہ لوگ اس وادی میں جمع ہوتے ہیں، اس لیے مزدلفہ کہا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ "ازدلاف" کا معنیٰ ہے "ملاقات" ۔۔ کہتے ہیں کہ ہبوطِ جنت کے بعد حضرت آدمؑ اور حواء جُدا جُدا ہو گئے تھے اور بالآخر اسی وادی میں ان کی ملاقات ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "ازدلاف" کا معنیٰ ہے "قرب و نزدیکی" چونکہ حجاج کرام اس مقام پر آکر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اس لیے مزدلفہ کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم (معجم البلدان)

یہاں ایک پہاڑ مشعرِ حرام کے نام سے تھا۔ اسی نسبت سے اس وادی کو "المشعر الحرام" بھی کہا جاتا ہے۔ احادیث میں "جمع" (بفتح الجیم وسکون المیم وبعدہا عین) نام بھی آیا ہے۔

ثبیر:

مزدلفہ کے مشرق میں ایک پہاڑ ہے۔ مشرکینِ مکہ کی عادت تھی کہ وہ طلوعِ آفتاب کے بعد یہاں سے روانہ ہوتے تھے۔ وہ مشرق کی طرف منہ کر کے سورج کے طلوع کی انتظار کرتے رہتے اور کہتے "اَشْرِقْ ثَبِیْر" "ثبیر! جلدی سورج طلوع کر"۔

اسلام میں مشرکین کے اس طریقہ کی مخالفت کی گئی کہ سورج طلوع ہونے سے ذرا دیر پہلے یہاں سے روانہ ہو جائیں۔

وادیٔ محسر:

مزدلفہ سے منیٰ کو جاتے ہوئے راستہ میں ایک وادی ہے۔ اسی وادی میں اصحابِ فیل پر عذابِ الٰہی نازل ہوا اور وہ لوگ تباہ کر دیے گئے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس وادی میں سے جلدی اور تیزی سے گزر جایا کرو۔ اس وادی کو "وادی النار" بھی کہا جاتا ہے۔

مسجدِ خیف:

منیٰ کی بڑی مسجد کا نام ہے۔ اسے "مسجد العیشومہ" بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر میں مکہ میں رہائش پذیر ہوتا تو ہر ہفتہ کے روز منیٰ کی مسجد میں آیا کرتا۔" (اخبارِ مکہ ص ۱۳۰ ج ۲)

غارِ حرا:

مکہ کے شمال میں تقریباً پانچ کیلو میٹر کے فاصلہ پر ایک غار ہے۔ آں حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نبوت سے قبل اپنے کھانے پینے کا سامان لے کر یہاں آجاتے اور کئی کئی روز تک یہیں تشریف رکھتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے۔ تا آنکہ چالیس برس کی عمر میں جب آپؐ کو خلعتِ نبوت سے نوازا گیا۔ تو سب سے پہلی وحی (سورۃ العلق کی ابتدائی آیات) اسی غار میں نازل ہوئیں۔

غارِ ثور:

یہ وہ غار ہے جس میں ہجرت کے موقعہ پر آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں تین روز تک رہے۔ بعض لوگ غارِ ثور اور حرا۔ میں جانا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے لیے بے شمار تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ وہاں جا کر نمازیں پڑھتے اور مٹی کھاتے ہیں۔ مٹی اور پتھر کو بطورِ تبرک ساتھ لاتے ہیں۔ یہ کام بدعات میں شامل ہیں۔ مٹی کھانا نہ صرف ناجائز ہے بلکہ بہت سے امراض کا سبب بھی ہے۔ اس لیے اس قسم کے فضول اور غیر ضروری کاموں سے اجتناب ضروری ہے۔